کتب سماوی پر ایک نظر

کتب ہنود

(۱۵)

از جناب ذوقی شاہ صاحب

اُمورِ تحقیق طلب آیات قرآنی کی بناء پر تمہید میں ہم لکھ چکے ہیں کہ دنیا کی کوئی قوم ہدایت الٰہی سے محروم نہیں رکھی گئی۔ یہ کلیہ ہم کو اس نتیجہ پر لاتا ہے کہ قوم ہنود کے لیے بھی ہدایت الٰہی یقیناً نازل ہوئی، خواہ یہ ہدایت ہندوستان میں ان کے لیے نازل ہوئی ہو، یا وہاں جہاں سے یہ لوگ اس ملک میں آئے۔ اب صرف اس امر کا اطمینان حاصل کرنا باقی ہے کہ وہ سچی ہدایت آج بھی اس قوم میں باقی ہے یا امتداد زمانہ سے وہ بگڑ گئی، مسخ ہو گئی، بدل گئی، اور اپنی اصلی حالت کے اعتبار سے مفقود ہو گئی؟ اس تنقید کے لیے مندرجہ ذیل امور تحقیق طلب ہیں:۔

۱۔ وہ کون کون سی کتابیں ہیں جن کو اس قوم کے لوگ منزل من اللہ قرار دیتے ہیں اور جن پر وہ اپنے مذہب کی بنیاد رکھتے ہیں؟

۲۔ وہ کتابیں کہاں نازل ہوئیں؟ کب نازل ہوئیں؟ طریق نزول ان کا کیا تھا؟ کتنی مدت تک کس ترتیب سے اور کن حالات میں ان کا نزول ہوتا رہا؟

۳۔ کس پیغمبر یا کن پیغمبروں یا رشیوں یا "اوتاروں" پر ان کا نزول ہوا؟

۴۔ ان کتابوں کے مضامین کا خلاصہ کیا ہے اور ان میں جو تعلیمات مندرج ہیں وہ بنی نوع انسان کی

دینی و دنیوی فلاح میں کس حد تک موثر ہو سکتی ہیں؟

۵۔ ہندوؤں کے پاس انکے اس دعوی کا کیا ثبوت ہے کہ وہ کتابیں حقیقتاً حق تعالیٰ ہی کی جانب سے ہندوؤں کی ہدایت کے لیے نازل فرمائی گئی ہیں؟

۶۔ اس کا کیا ثبوت ہے کہ وہ کتابیں اپنی اصلی صورت میں محفوظ ہیں اور ان میں کسی قسم کے تغیر و تبدل، کمی و بیشی، تحریف و الحاق کا وقوع نہیں ہوا اور ان پر اس درجہ اعتماد کیا جا سکتا ہے جس کی کہ کتب منزل من اللہ مستحق ہیں؟

تاریخ ہنود قبل اس کے کہ مذکورۂ بالا امور پر غور کیا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں کی تاریخ پر بھی ایک سرسری اور اجمالی نظر ڈالی جائے تاکہ مسائل مذکورہ پر تنقیدی نظر ڈالنے میں حاملان کتب زیر تنقید کے تاریخی حالات سے بھی ضروری مدد لی جا سکے۔

اس سلسلہ میں اس امر کی تفتیش مقدم ہے کہ واقعات عالم کی صحت کے متعلق حصولِ تیقن میں موجودہ تاریخی مواد کس حد تک قابل اعتماد ہو سکتا ہے۔

زمانہ باعتبار تاریخی معلومات کے دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ (۱) عہد تاریخی۔ اور (۲) عہد ماقبل تاریخ۔

عہد تاریخی وہ ہے جس کے واقعات قلمبند یا کسی نہ کسی طرح محفوظ کر لیے گئے ہیں۔

عہد ماقبل تاریخ کا دور تاریخی دور سے قبل کا دور ہے جس کے متعلق کوئی قابل اعتبار مواد موجود نہیں محض اٹکل سے کام لیکر اس کے متعلق کچھ بیان کر دیا جاتا ہے۔ اس لیے وثوق کے ساتھ اس عہد کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ جو کچھ کہا جاتا ہے وہ صرف آثار و قرائن کو دیکھ کر اور وہ بھی محض ظن و قیاس کی بنا پر۔ جو امور کہ اس عہد سے متعلق بالعموم بحث میں آتے ہیں اُن میں سے مثال کے طور پر چند مسائل حسب ذیل ہیں:

۱۔ کائنات کا وجود کب سے ہے؟

۲۔ زمین کب وجود میں آئی ؟

۳۔ زمین کی ابتدائی صورت کیا تھی اور اس صورت میں کب کیا کیا تبدیلیاں واقع ہوئیں ؟

۴۔ انسان سے قبل زمین پر کیا تھا کس نوع کی آبادیاں تھیں ؟

۵۔ انسان کی ابتدا اس زمین پر کب سے ہے ؟

۶۔ انسانی آبادی زمین کے کس حصہ سے شروع ہوی اور آبادی کا پھیلاؤ کس ترتیب زمانی و مکانی کے ساتھ واقع ہوا ؟

۷۔ تمدن انسانی کے ابتدائی مدارج کی نوعیت و کیفیت کیا تھی ؟ اس ضمن میں یہ مسائل بھی آتے ہیں کہ :

۱۔ ہندو اقوام ہندوستان میں کب سے آباد ہیں ؟

۲۔ کہاں سے آئیں ؟

۳۔ کسی مذہب کو اپنے ساتھ لیکر آئیں یا یہاں آنے کے بعد انھیں کوئی مذہب عطا ہوا ؟

۴۔ اگر ہندو اقوام باہر سے آئیں تو ہند میں آکر انھیں کن مزاحمتوں سے سابقہ پڑا ؟

۵۔ کس حد تک ان کے تمدن نے اس ملک کو متاثر کیا ؟

۶۔ کس حد تک یہاں کے قدیم تمدن سے وہ لوگ خود متاثر ہوے ؟

۷۔ یہاں آنے سے قبل کن کن خارجی اثرات سے وہ متاثر ہو چکے تھے اور یہاں آنے کے بعد علاوہ یہاں کے ملکی اثرات کے کن خارجی اثرات سے وہ متاثر ہوتے رہے ؟

ظاہر ہے کہ ان جملہ امور کی بابت جو کچھ دور حاضر کے متمدن ممالک میں بیان کیا جاتا ہے وہ نہ کشف و الہام کے تحت میں ہوتا ہے نہ تواریخ کی ان مکتوب شہادتوں پر مبنی ہوتا ہے جو نکتہ چینی سے ماوراء ہوں بلکہ اس میں بڑی حد تک ان ظنیات اور قیاس آرائیوں کو دخل ہے جنھیں ایک ترتیب خاص میں لاکر "سائنس" قرار دے دیا گیا ہے اور ان پُر شوکت اسماء کے ساتھ نامزد کر دیا گیا ہے ۔

جیالوجی ۔ علم طبقات الارض

بائی آلوجی ۔ علم الحیات ۔

اینتھراپالوجی ۔ علم الانسان ۔

اینتھنالوجی ۔ علم الاقوام ۔

فاک لور ۔ علم حالات انسانی بذریعہ روایات لسانی ۔

آرکالوجی ۔ معلومات ماخوذ از آثار قدیمہ ۔

سائیکالوجی ۔ علم النفس ۔

فلالوجی ۔ علم السنہ ۔

ان جملہ قیاس آرائیوں کی بنیاد مندرجۂ ذیل امور کی موجودہ ناتمام معلومات پر رکھی گئی ہے

۱۔ چٹانوں کی عمر کا اندازہ شکم زمین کے چند اجزار ۔ طبقات ارض کی نوعیت میں اختلافات انسان کی ہڈی کے ڈھانچے اور وہ جانور، درخت، اور پودے جو مدت دراز تک زمین میں دفن رہے اور امتداد زمانہ سے جنہوں نے معدنی صورتیں اختیار کرلیں ۔

۲۔ چند پرانی تباہ شدہ بستیاں یا ان کے آثار و باقیات جو زمین کھود کر نکالے گئے ۔ قدیم سمار شدہ عمارتیں یا ان کی بنیادوں کے نشانات یا وہ بچے کھچے نشانات جو اِدھر اُدھر نظر آگئے ۔

۳۔ قدیم کتبے جو پتھروں پر، غاروں میں، چٹانوں، پرانے ستونوں، یا دھات کے پتروں پر کندہ پائے گئے ۔ تصاویر، مجسموں یا بتوں کی ساخت و نوعیت ۔

۴۔ پرانے سکے اور ان پر کے خطوط ۔ پرانے ہتھیار، اوزار، برتنے کی اشیاء جن پر قدامت کی مہر پائی گئی ۔

۵۔ ملکی و قومی افسانے جو نظم یا نثر میں مبالغہ آمیز صورتوں کے ساتھ مختلف ممالک میں زبان زد

خاص و عام رہے ۔

۶ ۔ قدیم زبانوں کی چھان بین جو ان کی ملفوظی یا مکتوبی مماثلت اور الفاظ کے مخارج و اشتقاق پر غور و خوض کرنے کے بعد عمل میں لائی گئی ۔

۷ ۔ اُن خطوط و نقوش کی عینک سے بھی اسرار قدامت دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے جنھیں کوئی صحیح طور پر نہیں سمجھتا اور جن کی تفہیم میں قیاس آرائیوں کے سوائے چارہ نہیں ۔ مثلاً مصری ہائی راگلفکس

۸ ۔ علم النفس کی روشنی میں فطرت انسانی پر نظر ڈالکر قیاس کیا گیا ہے کہ دُکھ درد، خوشی، غم، فکر، اطمینان، محبت، عداوت میں طبعاً انسان کے کیا حرکات و سکنات ہوتے ہیں ۔ پھر اس پر اقوام کی تمدنی و معاشرتی کیفیات اور قومی خصوصیات کی عمارتیں تعمیر کر لی جاتی ہیں ۔

کون کہہ سکتا ہے کہ ان قیاس آرائیوں کا نتیجہ ہمیشہ اور ہر حالت میں صحیح ہونا لازمی ہے مندرجہ بالا علوم قدیم نہیں بلکہ جدید ہیں معلومات و انکشافات جن پر ان کی بنیاد ہے اب تک نہایت محدود و ناقص ہیں ۔ آئے دن معلومات میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور جدید انکشافات پرانے نظریوں کو بدل دیا کرتے ہیں ۔

مثلاً آریہ قوم کے متعلق عہد ماقبل تاریخ کے واقعات یا ان واقعات کے متعلق مفروضات کو لیجیے ایک عرصہ تک اسی خیال کا اظہار ہوتا رہا کہ یہ لوگ زمانہ نا معلوم میں وسط ایشیا میں تھے وہاں سے چلے، شمال و مغرب کے پہاڑوں سے اُترے، اور ہندوستان پر چھا گئے ۔ وسط ایشیا میں ان کے وطن اصلی کے متعلق کوئی تاریخی یا غیر تاریخی شہادت یا روایات زبانی یا قرائن آثاری موجود نہیں ۔ صرف اتنا امر تحقیقی ہے کہ یہ لوگ شمال و مغرب کے پہاڑوں سے نکلے ۔ اس سے قیاس کر لیا گیا کہ وسط ایشیا سے آئے ہوں گے پھر یہ بھی سمجھ لیا گیا کہ وسط ایشیا ہی ان کا وطن اصلی ہوگا ۔ اس "ہوگا" نے لوگوں کے خیال میں "ہے" کی صورت اختیار کر لی اور رفتہ رفتہ اس صورت میں وہ پختگی آگئی کہ اس کے خلاف کچھ

کہا جائے تو بڑے بڑے تعلیمیافتہ لوگ بھی چونک اٹھتے ہیں۔

مگر موجودہ حکومت ہند کے آثار قدیمہ کی جانب سے سندھ و بلوچستان میں تلاش آثار قدیمہ کا جو کام آج کل ہو رہا ہے اس کے اب تک کے نتائج نے تعلیمیافتہ طبقہ کو بھی آریوں کے وطن اصلی کے قدیم نظریے کی بابت شبہ میں ڈال دیا۔ ڈاکٹر میکے کی جدید تصنیف دی انڈس سویلیزیشن THE Indus Civilization ملاحظہ فرمائیے۔ محکمہ آثار قدیمہ کے اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ مسٹر این جی مجمدار ساجو کی حال کی تصنیف ایکسپلوریشن ان سندھ (Exploration in Sind) کا خوب غور سے مطالعہ فرمائیے۔ سندھ میں موہن جو دارو اور لوہن جو دارو اور لیمو نے جو اور قلات (بلوچستان) میں تل کے مقامات پر آثار قدیمہ کی تلاش کے نتائج سے اس کتاب میں تفصیلی بحث کی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ جو لوگ زمانہ قدیم میں تمدن لے کر ہندوستان میں داخل ہوئے وہ مغربی ایشیا یعنی بابل وغیرہ سے آئے۔ ان تحقیقاتی قافلوں میں سر آریل اسٹائن بھی شریک تھے جو ایک جرمنی النسل انگریز ہیں۔ اور برٹش میوزیم لندن اور ہارورڈ یونیورسٹی کے نمائندہ ہونے کی حیثیت سے شریک تفتیش ہوئے تھے۔ ۱۸ مارچ ۱۹۳۵ء کے ٹائمس آف انڈیا میں ان کا مکالمہ شائع ہوا ہے جس کے ایک حصہ کا خلاصہ حسب ذیل ہے :۔

"آریہ لوگ کہاں سے آئے؟ کس طرف گئے؟ کون سا راستہ انھوں نے اختیار کیا؟ ان کی ابتدائی زبان کی کیا کیا نشانیاں باقی ہیں؟ ان کی مفتوح قومیں اب کہاں اور کس حال میں ہیں؟۔

"چودھویں صدی قبل مسیح کی جتنی تحریروں سے پایا جاتا ہے کہ وہ لوگ جو ویدک دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے اور سنسکرت زبان کی بولیوں میں سے کوئی بولی بولتے تھے علاقہ متنی (Mittani) میں مویشی چرانے والوں کی زندگی بسر کرتے تھے یہ علاقہ اس حصۂ زمین پر واقع تھا۔

جو آج کل کردستان کے نام سے موسوم ہے"

حتّی سے بنی حت کی جانب اشارہ ہے جنھیں انگریزی میں (Hittites)

کہتے ہیں اور جن کا ذکر توریت کی کتاب پیدائش کے ابواب ۱۰ و ۲۳ میں موجود ہے۔ ان کی سلطنت ایشیا رکوچک اور شام میں پھیلی ہوی تھی۔ اتنی قوی تھی کہ صدیوں مصر و عراق کے حملوں کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرتی رہی۔ یہ وہی ملک تھا جہاں نمرود حکمران رہا۔ ابراہیم علیہ السلام کا ظہور ہوا۔ بنی اسرائیل کی حکومت رہی اسی ملک پر داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام نے نبوت اور بادشاہی کی اسی ملک میں شہر حبرون (Hibron) واقع ہے جس کا ذکر توریت میں آیا ہے۔ اور جہاں ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی بیوی حضرت سارہ علیہا السلام اور اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کے مزارات مقدسہ موجود ہیں۔ شہر حبرون بیت المقدس سے ۸ میل جنوب و مغرب کے جانب واقع ہے اور آج کل الخلیل کے نام سے ہے۔ حت کنعان کا بیٹا تھا۔ کنعان حام کا۔ اور حام نوح علیہ السلام کے فرزندوں میں سے تھے۔ شام میں بنی حت کی حکومت کا زور ۱۸۰۰ قبل مسیح کے قریب میں بیان کیا جاتا ہے۔ ۷۱۷ قبل مسیح تک یہ حکومت قائم رہی تحقیقات جدیدہ کی رو سے ان لوگوں نے دنیا کے قدیم تمدن کی ترقی میں بڑا حصہ لیا۔ بقول سراسٹائن کے ان لوگوں کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں میں آریہ ہونے کے علامات پائے جاتے تھے، جو آریوں کے دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے اور آریوں کی زبان بولتے تھے کسی زمانہ میں شام اور ایشیا رکوچک میں مویشی چرایا کرتے تھے۔ آگے چلکر سراسٹائن فرماتے ہیں کہ:-

> ان لوگوں نے ایک ہزار اور دو ہزار برس قبل مسیح کے درمیان پنجاب کو فتح کیا۔ پھر شمالی ہند میں انھوں نے اپنی زبان اور اپنے اثر کو پھیلایا، یہانتک کہ رفتہ رفتہ ان کا تمدن تمام جزیرہ نمائے ہند پر چھا گیا۔

اُن فتوحات کی تفصیل دریافت کرنے کے لیے کوئی تاریخی مواد موجود نہیں۔ مگر اتنی بات بالکل یقینی ہے کہ جو لوگ اپنے آپ کو آریہ کہتے ہیں اور رگ وید اپنے پاس رکھتے ہیں سندھ وپنجاب میں مغرب سے آئے۔ جغرافی حالات تبلا رہے ہیں اور اس امر کی تائید کر رہے ہیں کہ یہ ملک شام یا ایشیا رکوچک سے نکلے اور ایران وبلوچستان ہوتے ہوئے سندھ میں داخل ہوئے۔ آج سندھ کی آب وہوا خشک ہے مگر چار یا پانچ ہزار برس قبل کافی مرطوب تھی۔

وادی سندھ سے متصل آغاز تاریخ سے ایک قوم آباد ہے جس کی بولی وہ مشرقی ایرانی زبان ہے جو اپنی قدیم ترین صورت میں زرتشت کے گیتوں میں محفوظ ہے اور جو ویدک سنسکرت کی ایک شاخ معلوم ہوتی ہے۔

دریائے سندھ کے حصۂ زیرین کے مغربی ساحل پر ایک سیدھی سادھی مبتدیانہ تمدن والی مختصر سی برہمن قوم آباد ہے۔ دراوڈین زبان بولتی ہے حالاں کہ اس زبان کے بولنے والے ان سے بہت فاصلے پر دکن میں رہتے ہیں۔ یہ ایک معما ہے جو اس طرح بآسانی حل ہو سکتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان جو ملک حائل ہے اس میں ایسے کتبے دستیاب ہوئے ہیں جن پر دراوڈین زبان کے حروف کندہ ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ فلاکت زدہ نیم برہنہ خانہ بدوش لوگ جو کہ معدودے چند ہیں ان کثیر التعداد دراوڈین لوگوں سے برادرانہ نسبت رکھتے ہیں جو آریوں کے آنے سے قبل پورے ملک پر حکمران تھے اور جن کا تمدن آریوں کے تمدن سے بہت بڑھا ہوا تھا مگر جو قوت وہمت میں آریوں کے مقابلہ میں کمزور ثابت ہوئے۔ یہ دریا پار والا ضعیف فرقہ پیچھے سے ایک

گوشہ عافیت میں کھسک گیا۔ اور ہزاروں برس سے وہ وہاں قائم ہے۔

"زبان سنسکرت کے تغیرات مابعد اور آریوں کے تمدن و مذہب میں آئے دن کی ترمیمات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آریوں نے اپنی زبان اور اپنی حکومت کو تو ملک کے باشندگان قدیم پر زبردستی ٹھونس مگر ان کے نہایت برتر تمدن اور ان کی بہت سی مذہبی خصوصیات کو خود بھی قبول کرلیا اور انھیں اپنا بنا لیا۔ ہندو اقوام میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ بلکہ یہ اب بھی ہو رہا ہے۔ یہ لوگ اسی طرح اپنے فاتحوں کو جذب کرلینے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔"

اقتباس مندرجہ بالا سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ بعیدہ میں ایک آریہ یا آریوں سے مشابہ قوم ممالک شام و ایشیا رکوچک یا اس نواح میں خانہ بدوشوں کی سی زندگی بسر کرتی تھی اور مویشی چراتی تھی۔ مگر تلاش سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ مثل عام خانہ بدوش قبائل کے یہ لوگ امن پسند اور گوشۂ عافیت کی خاموش زندگی بسر کرنے والے نہ تھے بلکہ سرکش بغاوت پسند اور حکومت کے خلاف شورش اٹھانے کے عادی تھے۔

چنانچہ برٹش انسائیکلو پیڈیا جلد ۳ صفحہ ۵۴۴ و ۶۴۶ پر بابل (Babylo nia) کے قدیم تاریخی حالات کی بحث میں لکھا ہے کہ جس زمانہ میں ہتی حت بابل پر حکمران تھے ایک قوم تھی "جو غالباً آریہ تھی"۔ یہ قوم ایک مدت تک بابل پر حملہ آور ہوتی رہی یہانتک کہ ملک پر وہ قابض ہوگئی۔ ۵۷۰ برس تک اس کا غلبہ رہا۔ اس کے عہد میں بابل کردنیاش (Karduniash) کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ ان کے بادشاہوں کے نام "غیر سامی بلکہ اغلباً آرین تھے"۔ مثلاً اشپیہ۔ کلیہ۔ اداسی عراق کے شمال و مغرب میں ایک زبردست آریہ حکومت قائم ہوگئی تھی جہاں اندر اور درونا اور مترا کی پرستش ہوتی تھی جو کہ ہندوستان پر چڑھ آئی

کرنے والے آریوں کے دیوتاؤں کے نام ہیں۔

جہاں تک موجودہ تاریخ دانی کا تعلق ہے ہندوستان کے قدیم ترین باشندے وہ بھیل اور گونڈ اور دیگر قبائل بیان کیے جاتے ہیں جو آج کل وسط ہند اور دکن کے جنگلوں اور پہاڑوں میں پائے جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ان کا اس نسل انسانی سے تعلق ہے جس کے آثار آسٹریلیا میں پائے گئے ہیں اور سمجھا یہ جاتا ہے کہ یہ لوگ آسٹریلیا اور جاوا جیسے مقامات سے ہندوستان میں آئے ہوں گے انھیں (Pre-Dravadian Races) کہتے ہیں۔ انھیں لوگوں پر ڈراویڈین لوگوں نے چڑھائی کی جو غالباً مغربی ایشیا سے نکلے اور بلوچستان کی راہ سے ہندوستان میں داخل ہوئے۔ یہ لوگ اپنے زمانہ کے لحاظ سے نہایت درجہ متمدن اور شائستہ تعلیق تھے۔ ان کا تسلط ہندوستان پر پوری طرح ہوگیا اور بہت عرصہ تک رہا۔ تعین زمانہ کے لئے کوئی قابل وثوق مواد دستیاب نہ ہوسکا انھیں لوگوں پر یعنے ڈراویڈینز پر آریہ لوگ حملہ آور ہوے۔ اس حملہ آوری کا زمانہ ۲۴۰۰ برس اور ۱۵۰۰ برس قبل مسیح کے درمیان بیان کیا جاتا ہے مگر اس میں بڑا اختلاف ہے۔ ہندو اصلی زمانہ کو اس سے بھی قدیم تر بتلاتے ہیں اور یورپین محققین اسے نزدیک تر قرار دیتے ہیں۔ آریوں نے پہلے سندھ و پنجاب پر قبضہ کیا اور کچھ عرصہ تک وہیں مقیم رہے۔ پھر مشرق کی جانب رخ کیا اور رفتہ رفتہ وہ بنگال تک پہنچ گئے۔

اس درمیان میں ڈراویڈین قوم کے لوگ شمالی ہند سے نیچے اترتے گئے یہاں تک کہ دریائے نربدا سے نیچے آگئے اور دکن میں آکر اڑ گئے۔ دکن سے یہ لوگ آریوں پر حملہ آور بھی ہوتے رہے اور ان کے بڑھتے ہوئے غلبہ کی شدید اور مسلسل مخالفت بھی کرتے رہے۔ اس وجہ سے آریوں کا اثر دکن میں بہت دیر میں، اور بہت ضعیف ہوکر پہنچا۔ اب بھی یہ قدیم قوم دکن میں بڑی تعداد میں آباد ہے۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (طبع چہار دہم) جلد ۱۲ میں "انڈیا" پر آرٹیکل کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دڑاوِیڈین لوگ ۷۰۰ برس قبل مسیح تک ہند کے ساحل جنوب و مغرب اور ملک بابل کے درمیان بذریعہ جہازوں کے تجارت کرتے رہے اور بابل سے سامی زبانوں میں سے ایک زبان کے وہ حروف لائے جن پر آج ہندی، برمی، سیامی اور سیلونی زبانوں کی تحریریں بنی ہیں۔

پروفیسر آرتھر میکڈانل اپنی کتاب "تاریخ زبان سنسکریت" میں لکھتے ہیں کہ پروفیسر بوہلر (BuhbEr) نے بڑی محنت و جانکاہی اور بڑی تحقیق و تنقید کے بعد ثابت کیا ہے کہ ہند قدیم میں دو قسم کی تحریروں کا رواج تھا۔ کھروشتی[1] اور براہمی[2]۔

(۱) کھروشتی ملک گندھارا (یعنی مشرقی افغانستان اور شمالی پنجاب) میں ۴۰۰ برس قبل مسیح سے لیکر ۲۰۰ برس بعد ولادت مسیح تک مروج رہی۔ اس رسم الخط کا ماخذ سامی تحریر کی وہ ارمی قسم ہے جو ۵۰۰ برس قبل مسیح رواج پائے ہوئے تھی۔ کھروشتی تحریریں مثل اپنی اصل کے داہنی جانب سے بائیں جانب کو لکھی جاتی تھیں (مثل اردو فارسی عربی کے نہ کہ مثل ناگری اور انگریزی کے)۔

۲۔ براہمی خط کو ہندی قومی تحریر سمجھنا چاہیے کیونکہ بعد کے تمام اقسام کے حروف خواہ وہ بادی النظر میں آپس میں کیسے ہی مختلف معلوم ہوتے ہوں سب اسی خط پر مبنی ہیں۔ یہ حروف و عبارات بائیں جانب سے داہنی جانب کو لکھی جاتی ہیں مگر یہ ان کا ابتدائی اور اصلی رخ نہیں۔ ۴۰۰ برس قبل مسیح کے کچھ سکے دستیاب ہوئے ہیں جن پر رخ تحریر داہنی جانب سے بائیں جانب ہے اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیے تھا۔ کیونکہ براہمی حروف اس قدیم ترین سامی رسم الخط پر مبنی ہیں جو کسی زمانے میں سامیوں کے مقبوضات شمالی میں رائج تھا اور جو ۸۹۰ برس قبل مسیح کے کتبوں اور دفائن وغیرہ پر کندہ کیا ہوا پایا گیا ہے۔ ڈاکٹر بوہلر کی رائے کہ یہ حروف ہند میں ۸۰۰ برس قبل مسیح لائے گئے۔

براہمی حروف کی بھی دو قسمیں ہیں۔ شمالی اور جنوبی۔ قسم شمالی میں سنسکرت مرہٹی اور ناگری لکھی جاتی

ہے۔ انہیں ناگری یا دیوناگری حروف کہتے ہیں۔ قسم جنوبی میں وہ تحریریں شامل ہیں جو وندھیاچل کے جنوب میں ممالک کینری اور تلنگانہ میں مستعمل ہیں۔ ناگری کے قدیم ترین نسخے آٹھویں صدی تک کے اور قلمی نسخے گیارہویں صدی تک کے دستیاب ہو چکے ہیں۔

بیانات مذکورہ بالا کے دیکھنے کے بعد طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن لوگوں کا بابل میں ہونا بیان کیا گیا ہے اور جن کے آثار قدامت سندھ و بلوچستان میں پائے گئے ہیں وہ فی الحقیقت آریہ ہی تھے یا کہ دراویڈین؟ اور بابل میں وہ کہاں سے پہنچے؟ اس کے جواب کی تلاش کے لیے مندرجۂ ذیل نظریے ہی قائم ہو سکتے ہیں۔

۱۔ ممکن ہے کہ یہ لوگ آریہ ہی ہوں عام اس سے کہ وہ اپنے نام اور اپنے دیوتاؤں کی پرستش اپنے ہمراہ لے کر یہاں سے وہاں گئے یا وہاں سے یہاں آئے "یہاں" سے مراد وسط ایشیا ہو یا ہندوستان لیکن وسط ایشیا سے انکا خروج محض قیاس ہی قیاس ہے۔ ان کے عہد قدیم کے کوئی آثار وہاں مطلق نہیں پائے جاتے۔ اور ہندوستان میں وہ فاتحانہ شان رکھتے تھے عقل تسلیم نہیں کرتی کہ اس ملک میں اپنے غلبہ کی شان کو چھوڑ کر وہ وہاں آوارہ گردی اور خانہ بدوشی کے لیے گئے ہوں اور یہاں سے وہاں جاکر انھوں نے مویشی چرانا شروع کر دیا ہو۔ لہذا اگر یہ لوگ آریہ تھے تو اغلب ہے کہ وہیں سے یہاں آئے ہوں۔ اگر یہ خیال صحیح نکلا تو ان کے یہاں آنے کا زمانہ ہزار بارہ سو برس قبل مسیح ہی قرار دیا جائے گا۔ اور اس کے خلاف جتنے دعوے ہیں اُن سب کو رد کر دینا پڑے گا۔

۲۔ یا ممکن ہے کہ یہ لوگ وسط ایشیا سے نہیں بلکہ ایران سے نکلے ہوں اور بابل پہنچے ہوں مگر ایران سے ان کا بابل جانا پھر وہاں سے واپس ایران آنا پھر ایران سے ہندوستان کا رخ کرنا محض قیاس ہی قیاس ہو سکتا ہے۔ کوئی قرینہ اس کی تائید نہیں کرتا۔ ایرانیوں اور آریوں

میں بلحاظ زبان اور مذہب کے جو مشابہت و مماثلت ہے اس کے دوسرے وجوہ ہیں جن میں سے بعض پر وید کے تحت میں بحث آئے گی۔ اگر یہ کہا جائے کہ ایک ہی لوگ تھے جن میں سے ایک ہی زمانہ میں بعض بابل گئے اور رفتہ رفتہ وہاں سلطنت کرنے لگے اور بعض ہندوستان آگئے اور رفتہ رفتہ یہاں حکومت کرنے لگے تو اس صورت میں سندھ کے دفائن میں قدیم بابلی تمدن کے آثار کا پایا جانا بے معنی ہو جائے گا۔

۲۔ یا ممکن ہے کہ یہ لوگ دراصل ڈراویڈین تھے اور بار ثانی وہاں پہنچے۔ پہلی مرتبہ ایک بعید اور نامعلوم ماضی میں یہ لوگ وہاں سے ایران بلوچستان اور سندھ کی راہ سے آئے اور ہندوستان کی قدیم آبادیوں کو مغلوب کر کے یہاں کے مالک بن بیٹھے۔ آگے چل کر اپنے تمدن کو ان لوگوں نے اتنی ترقی دی کہ جہازوں کے ذریعہ مغربی ممالک سے یہ تجارت کرنے لگے جنمیں بابل بھی شامل تھا۔ ممکن ہے کہ اس زمانہ میں ان کے مزدور پیشہ طبقہ کا ایک گروہ اُن کے ہمراہ باہر نکلا ہو اور بابل میں رہ پڑا ہو۔ اس طبقہ نے پہلے وہاں مبتدیانہ مشاغل شروع کیے ہوں۔ مثلاً محنت مزدوری کاشتکاروں اور زمینداروں کی ملازمت، مویشی پالنا اور انھیں جنگل پہاڑوں میں لیئے لیے پھرنا۔ پھر رفتہ رفتہ یہ لوگ وہاں کے حصۂ ملک پر قابض بھی ہو گئے ہوں۔ معلوم نہیں کہ ہندی دیوتاؤں کی پرستش کی رسم آریوں نے ڈراویڈینس سے لی یا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ مگر سر اسٹائن کے مندرجہ بالا قول سے یہ تو اخذ ہوتا ہے کہ ڈراویڈینس میں بھی براہمن ہوتے تھے جن کا بقیہ اب تک دریائے سندھ کے حصۂ زیریں کے مغربی ساحل پر موجود ہے اور اپنی اصلی ڈراویڈین زبان کو بولتا ہے یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ تمدن اور مذہب کی بہت سی خصوصیات میں آرین طبقہ ڈراویڈین اثر کو پوری طرح قبول کر چکا ہے اس لیے کیا عجب ہے کہ جو حقیقتاً ڈراویڈین خصوصیات تھیں وہ بابل کے اس ہندی الاصل فرقہ میں غلطی سے آرین خصوصیات سمجھ لیے گئے اور ہندی الاصل ناموں اور دیوتاؤں کو آرین قرار دیا گیا یا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ اُن ڈراویڈین لوگوں نے اپنے جتھے کا نام آریہ رکھ لیا ہو جس کے معنی بقول پروفیسر میکڈانل مصنف

تاریخ زبان سنسکریت کے "ایک ہی خاندان ایک ہی برادری اور کنبہ رشتہ کے لوگ" ہیں۔ مدت تک اس شاداب ملک اور وہاں کی صحت بخش آب وہوا میں رہ کر یقینی امر ہے کہ ان کا رنگ وروغن بدل گیا ہوگا، اُن کے قوائے جسمانی مضبوط ہوگئے ہوں گے اور صوری اعتبار سے وہ ایک بالکل جداگانہ قوم معلوم ہونے لگے ہوں گے۔ یہ امر بھی بعید از قیاس نہیں کہ وہ خود بھی اپنی اصل کو بھول گئے ہوں اور انھیں یاد بھی نہ رہا ہو کہ ان کے آبا و اجداد ڈراویڈین ہی تھے۔ فتوحات کے نشہ میں وہ پہلے ایران پھر ہندوستان آنکلے اور ڈراویڈین لوگوں کو اپنا غیر ملکی اپنا مزاحم پاکر اور اپنے مقابلہ میں ان کی کالی کالی صورتیں دیکھ کر انھیں بھوت اور راکشس سمجھا اور انھیں کچلنا شروع کر دیا۔ گویا ایک ہی قوم تھی جو پہلے ڈراویڈین بن کر ہندوستان آئی پھر ایک مدت بعد رنگ وروپ بدل کر اور اپنی اصل کو بھول کر آریہ بن کر دوبارہ اس ملک میں آئی اور اپنے ہاتھ سے اپنے ہی بھائی بندوں کی جڑیں کاٹنی شروع کر دیں۔ اس نظریہ کی تائید جپسیوں (Gypsies) کے وجود سے بھی ہوتی ہے۔ یہ ایک خانہ بدوش قوم ہے جو یورپ میں آج کل تخمیناً پانچ لاکھ کی تعداد میں موجود ہے۔ ٹرکی۔ بلقان، روس، اٹلی، اسپین، فرانس، جرمنی، آسٹریا، انگلستان میں یہ لوگ پھیلے ہوئے ہیں بلکہ امریکہ تک پہنچ گئے ہیں۔ انگلستان میں ان کی تعداد چالیس ہزار تک بیان کی جاتی ہے۔ پہلے سمجھا جاتا تھا کہ یہ لوگ مصر سے آئے اور اسی بنا پر انھیں جپسیز کہتے ہیں جو کہ لفظ (Egyp-tians) سے بنایا گیا ہے لیکن اب یہ امر طے پاگیا ہے کہ یہ لوگ ہندی الاصل ہیں اور ہندوستان سے یورپ پہنچے۔ ان کے قافلے کے قافلے یورپ میں گھومتے رہتے ہیں۔ خیموں میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ بھان متی اور بازی گری کے تماشے دکھلاتے ہیں۔ چٹائی اور ٹوکریاں بنتے ہیں۔ ٹین کے برتن بناتے اور مرمت کرتے ہیں۔ اپنے مخصوص طریقوں سے لوگوں کے ہاتھ دیکھتے ہیں اور اُن کے نوشتۂ تقدیر پر روشنی ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انہیں کی بدولت یورپ اور امریکہ میں قیافہ بالید Palmistry

کا اس قدر چرچا پھیلا ہوا ہے۔ دکن کے خانہ بدوش قبائل اور سرکی والوں سینگی والوں، موگیوں، بھان متیوں سے بہت ملتے جلتے ہیں۔ برٹش انسائیکلوپیڈیا والا لکھتا ہے کہ:۔

"ان کے اعضائے جسم کا تناسب، ان کی جلد کا زیتونی رنگ، ان کی آنکھیں اور ان کے بالوں کا سیاہ ہونا، ان کے حرکات وسکنات، ان کا گانا بجانا، باوجود یورپ کی زبانوں سے مخلوط ہو جانے کے ان کی بولی اور ان کی زبان کی صرف ونحو غرض کہ ان کا پورا طرز بود وباش ثابت کرتا ہے کہ یہ لوگ ہند سے آئے۔" ممکن ہے کہ ڈراوڈینز کی وہ کھیپ جو بابل گئی تھی ان کو بھی اپنے ہمراہ لے گئی ہو قافلے کے کچھ لوگ بابل رک گئے ہوں کچھ آگے بڑھ گئے ہوں ممکن ہے کہ ایک بار ایسا ہوا ہو یا متعدد بار۔ بہرحال ان لوگوں کا وجود اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ ڈراوڈینس سمندر سے ڈرتے نہ تھے۔ جہاز کے سفر سے انھیں پرہیز نہ تھا۔ دور دراز ممالک میں جاتے تھے، تجارت کرتے تھے، وہاں سے مفید چیزیں اور مفید علوم اپنے ملک میں لاتے تھے اور ان میں سے بعض ان دور دراز ممالک میں رہ بھی پڑتے تھے۔ اب رہا زبان کا مسئلہ۔ تو وہ اس طرح طے ہوسکتا ہے کہ اس بات کا بھی امکان ہے کہ بابل کے ہندیوں نے ایرانیوں کی صحبت میں رہکر جو کہ ان کے پڑوسی تھے قدیم ہند کی زبان اور قدیم ایران کی زبان کے امتزاج سے بتدریج ایک ایسی زبان بنالی یا ایسی زبان بن جانے دی جس کو قدیم سنسکرت یا ویدک زبان سے آج کل موسوم کیا جاتا ہے۔ علم السنہ کے فاضلوں کا اتفاق ہے کہ قدیم ایرانی زبان اور قدیم سنسکرت باہم اس درجہ مشابہ ہیں کہ انھیں ایک ہی زبان کی دو بولیاں یا دو (Dialects) کہدیا جائے تو غلط نہ ہوگا۔

۴۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ لوگ نہ آریہ تھے نہ ایرانی نہ ڈراوڈینس بلکہ مصری تھے مصر کا تمدن بابل کے تمدن سے بھی قدیم تر ہے مصر و بابل میں لڑائیاں بھی ہوتی رہی ہیں باہم دوستانہ تعلقات بھی رہے ہیں۔ دونوں تمدنوں نے ایک دوسرے کا اثر بھی قبول کیا ہے۔ لوگوں میں

آمدورفت اور رشتہ داریاں بھی رہی ہیں۔ آبادیوں میں مبادلہ بھی ہوا ہے موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں فرعون کی تباہی کے بعد کچھ قبطی مصر سے نکل بھاگے تھے تعجب نہیں اگر یہی قبطی پہلے بابل میں کچھ دن رکے ہوں پھر ایران ہوتے ہوئے ہندوستان آگئے ہوں۔ ان مصریوں میں اور ان ہندیوں میں جن سے کہ ان مضامین میں بحث ہے مذہب ورسمیات میں مشابہت بھی بہت قریبی ہے مثلاً اتبک ہندوؤں میں مصر جی مہاراج بھی ہوا کرتے ہیں جو ہندوؤں کے بڑے پنڈت اور پوجاری اور قابل احترام مذہبی پیشوا سمجھے جاتے ہیں۔ گائے کی پرستش بالخصوص اور جانوروں کی پرستش بالعموم میں مصریوں کو اولیت کا مرتبہ حاصل ہے۔ آفتاب کی پرستش دریائے نیل کی پرستش یعنی عناصر کی پرستش اور انسانی قربانیاں مصر کی مشہور رہی ہیں تناسخ کا عقیدہ مصر کی خصوصیات سے ہے جس پر تفصیلی بحث انشاء اللہ تعالیٰ اپنے موقع پر آئے گی "اوتار" کا مسئلہ بھی سب سے پہلے مصر ہی میں پیدا ہوا۔ بادشاہ کی پرستش مصریوں کا گویا مذہب تھا۔ ذات پات کا لحاظ اور چھوت چھات کے جھگڑے جس شدومد کے ساتھ مصر میں تھے اتنے کسی اور ملک کی تاریخ میں نہیں پائے جاتے، بلکہ خیال یہ ہے کہ اونچ ذات اور نیچ ذات میں تفریق کی ابتدا مصر ہی سے ہوئی ان جملہ امور میں ہندوستان بھی مصر ہی کا خوشہ چین معلوم ہوتا ہے چند دیگر امور میں بھی مصریوں اور ہندیوں میں مماثلت ہے مگر ان کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں۔ مختصر یہ کہ تعجب کی بات نہ ہوگی اگر مزید تحقیقات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے کہ وہ قبطی ہی ہیں جنہوں نے ہندوستان آکر نیا جنم لیا۔ کم از کم اتنا تو اب بھی ثابت ہے کہ ہندی تمدن ورسوم ورواجات قبطی یا مصری اثر سے محفوظ نہیں۔

۵۔ اس کا بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ بنی اسرائیل کے گم شدہ اور مفقود الخبر قبائل میں سے ہوں۔ ان گم شدہ قبائل کے متعلق اتبک بڑی عرق ریزی سے کام لے کر ضخیم لٹریچر مہیا

کر دیا گیا ہے۔ مگر باوجود اس کے کوہ کندن اور کاہ برآوردن سے معاملہ آگے نہیں بڑھا۔ تین خیالات جن کو زیادہ وسعت دی گئی ہے حسب ذیل ہیں۔

الف۔ انگلو سیکسن لوگ ان گم شدہ قبائل سے ہیں اور انہیں انگلو ازرائیلائٹس (Anglo-Israilites) کہنا چاہیے۔ مگر یہ خیال مقبول نہیں ہوا۔ اور اس پر بہت سے اعتراضات کیے جاتے ہیں۔

ب۔ شمالی امریکہ کے قدیم باشندے (North American Indians) ان کے گم شدہ اسرائیلیوں میں سے ہونے کی بابت آج کل بڑا زور لگایا جا رہا ہے۔ اور چند بڑے بڑے لوگ اس خیال کی تائید میں کوشاں ہیں۔ مگر اس نظریہ پر بھی بہت سے اعتراضات ہو وارد ہو سکتے ہیں۔

ج۔ افغانیوں پر بنی اسرائیل کے مفقود الخبر قبائل ہونے کا گمان کیا جاتا ہے۔ مگر کسی تاریخی شہادت کی بنا پر نہیں بلکہ صرف اس تخیل کی بنا پر کہ ان کی خصلتیں بنی اسرائیل کی خصلتوں سے بہت مشابہ ہیں حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو ہمارے ملک کے بعض طبقوں کے لکھ پتی اور کروڑ پتی مہاجنوں کو بنی اسرائیل سے متعدد وجوہ سے نہایت قوی مناسبت ہے علاوہ بریں شام جیسی سرسبز و شاداب زمین کا لطف اٹھاتے ہوئے من چلے لوگ جو من و سلوا پر قناعت نہ کر سکے اپنے زمانے کے اجڑے ہوئے انگلو سیکسن جزائر یا مسافت بعیدہ پر سمندر پار غیر آباد و نا معلوم امریکن خارستان، یا مفلس و مشقت طلب افغانی سنگستانی کو ہندوستان جیسی سونے کی چڑیا چھوڑ کر بھلا کیوں جانے لگے تھے۔ اگر یہ خیال جائے کہ بنی اسرائیل کو دیوتا پرستی سے کیا تعلق تو ادنیٰ تعمق سے واضح ہو جائے گا کہ جس قوم نے موسیٰ علیہ السلام

کی چالیس دن کی غیر حاضری میں باوجود ہارون علیہ السلام کی نگہبانی کے گو سالہ پرستی اختیار کرلینے میں دریغ نہ کیا، اس سے بعد کے زمانوں میں کیا کچھ ممکن نہیں۔ ایک نکتہ اور بھی قابل غور ہے۔ بنی اسرائیل کے بارہ فرقے تھے۔ ان میں سے کمتر باقی اور بیشتر مفقود الخبر ہیں جن کو بنی اسرائیل کے گم شدہ فرقے (Losttribes of Israel) کہتے ہیں۔ اب ذرا خیال تو فرمایئے کہ ایک بچہ یا ایک لڑکے یا چند افراد اور ایک مختصر سی جماعت کا گم ہو جانا تو سمجھ میں آسکتا ہے۔ مگر ایک انبوہ کثیر کا جو متعدد کثیر التعداد قوموں پر مشتمل ہو گم ہو جانا اور ان کی بابت کسی کو کچھ معلوم نہ ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔ بجز اس کے کہ ان لوگوں نے کسی مصلحت سے خود ہی اپنے آپ اپنے پرانے نام اور پرانی علامات سے جدا کر لیا اور اپنے نام اور بھیس کو بدل کر کسی دوسرے نام سے اپنے کو مشہور کر دیا۔ ان کی تاریخ کا مطالعہ کیجیئے تو معلوم ہو گا کہ مصائب و شدائد و غلامی و تباہی و بربادی اور مظلومی و بےکسی و بےبسی کی موت گویا ان کی قسمت ہی میں آچکی تھی۔ ان کے حرکات کچھ ایسے ہو گئے تھے کہ ان کے نام تک سے لوگوں کو نفرت ہو گئی تھی بلکہ اس نفرت کے آثار اب تک مہذب و آزاد یورپ میں نہایت بیّن طور پر نمایاں ہیں۔ کیا عجب ہے کہ ان لوگوں نے فیصلہ کر لیا ہو کہ اس آئے دن کی مصیبت سے بچنے کے لیے اپنے پرانے نام ہی کو خیرباد کہہ دو اور کسی دوسرے نام سے دوسرے ملک میں جا کر چکو۔ لوگ نام و لباس و ہیئت ظاہری بدل سکتے ہیں مگر اپنی طینت و فطرت کو نہیں بدل سکتے۔ چنانچہ ہمارے ملک میں وہ قدیم اور عجیب و غریب تاریخ رکھنے والے لوگ جن پر اس نظریے کی رو سے اسرائیلی ہونے کا گمان کیا جا سکتا ہے، اب تک سیاسیات و معاشیات و اقتصادیات میں تقریباً اسی روش اور اسی قابلیت کا ثبوت دے رہے ہیں جس کے ساتھ تاریخ میں وہ متمیز ہو چکے ہیں۔ یہ لوگ مصر میں بھی تقریباً چار سو برس رہ چکے ہیں یوسف علیہ السلام کے زمانے میں وہاں پہنچے اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں وہاں سے نکلے اس لیے مصری خصوصیات ان میں بھی پیدا ہو چکی تھیں۔ یونانی اور ایرانی صحبتوں سے انہوں نے

کافی اثر قبول کر لیا تھا۔ ممکن ہے کہ انہیں کے ذریعہ ہمارے ملک میں اسرائیلی، مصری، شامی، یونانی اور ایرانی اثرات آئے ہوں۔ اگر اس نظریہ کی صحت کو تسلیم کر لیا جائے تو ابراہیم سے برہم اور برہما اور براہما اور برہمن کا استخراج آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے اور ہولی کا تہوار ایک جدید تاریخی حیثیت اختیار کر سکتا ہے۔ یہ لوگ بھی شرافت نسل پر فخر کرنے میں حد سے تجاوز کر گئے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد اور بنی اسرائیل ہونے پر انہیں اس قدر ناز تھا کہ اپنے کو خدا کی منتخب جماعت اور خدا کی اولاد اور خدا کا دوست کہتے تھے اور جنت کو اپنے ہی لیے مختص سمجھتے تھے۔ اغیار کی نجات کے قائل نہ تھے۔ ان کی اکثر جماعتیں اغیار کو اپنے میں شامل نہ کرتی تھیں۔ گویا یہ لوگ اس زمانہ اور ان ممالک میں بھی "برہمن" تھے علمی اور دماغی کاموں میں یہ لوگ ہمیشہ ایسے چمکتے رہے ہیں کہ اب تک ان میں آئن اشٹائن جیسی قابلیت کے لوگ پیدا ہوتے چلے آئے ہیں۔ غرض کہ اس نظریے کی تائید میں بھی بہت کافی مواد موجود ہے۔

(باقی)

مراۃ المثنوی

مرتبۂ جناب قاضی تلمذ حسین صاحب ایم اے رکن دار الترجمہ

مثنوی مولانا روم کا بہترین ایڈیشن جس میں مثنوی شریف کے منتشر مضامین کو ایک سلسلہ کے ساتھ اس طور پر مرتب کیا گیا ہے کہ پڑھنے والا مولانا کے مدعا اور ان کی تعلیم کو بڑی آسانی سے سمجھتا چلا جاتا ہے کئی انڈکس اور فہرستیں بھی ہیں جن کی مدد سے آپ حسب منشا ہر جو شعر چاہیں نکال سکتے ہیں۔ ایک بسیط فرہنگ بھی ملحق ہے غرض کہ اس کتاب نے مثنوی شریف سے فائدہ اٹھانے کے لیے ایسی سہولت مہیا کر دی ہے کہ ایک شخص بڑی آسانی سے کتاب کے مطالب پر عبور حاصل کر سکتا ہے۔ کاغذ، کتابت طباعت بہترین جلد نہایت اعلیٰ قیمت سکہ انگریزی ۔لعہ سکہ عثمانیہ۔

دفتر ترجمان القرآن سے طلب کیجیے۔